M11/1/A1URD/HP1/URD/TZ0/XX

22110325

International Baccalaureate®
Baccalauréat International
Bachillerato Internacional

URDU A1 – HIGHER LEVEL – PAPER 1
OURDOU A1 – NIVEAU SUPÉRIEUR – ÉPREUVE 1
URDU A1 – NIVEL SUPERIOR – PRUEBA 1

Wednesday 11 May 2011 (morning)
Mercredi 11 mai 2011 (matin)
Miércoles 11 de mayo de 2011 (mañana)

2 hours / 2 heures / 2 horas

INSTRUCTIONS TO CANDIDATES

- Do not open this examination paper until instructed to do so.
- Write a commentary on one passage only.

INSTRUCTIONS DESTINÉES AUX CANDIDATS

- N'ouvrez pas cette épreuve avant d'y être autorisé(e).
- Rédigez un commentaire sur un seul des passages.

INSTRUCCIONES PARA LOS ALUMNOS

- No abra esta prueba hasta que se lo autoricen.
- Escriba un comentario sobre un solo fragmento.

© International Baccalaureate Organization 2011

ذیل میں دیئے گئے اقتباس اور غزل میں سے کسی **ایک** کی تشریح کیجیے۔

.1

سب لوگ اسے کچرا بابا کہتے تھے، کیونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ صرف کچرے سے اپنی خوراک نکال کر کھاتا ہے اور جس دن اسے وہاں سے کچھ نہ ملتا وہ بھوکا ہی سو جاتا۔ برسوں سے راہ گیر اور ایرانی ریسٹوران والے اس کی عادت کو پہچان گئے تھے اور اکثر انہیں جو کچھ ڈالنا ہوتا اس کے لیے وہ کچرے کے ڈھیر میں پھینک دیتے تھے اور اکثر عمارت کی عقبی کھڑکیوں سے اب کوڑے کچرے کے علاوہ خوردونوش کی دوسری چیزیں بھی پھینکی جانے لگیں، صحیح اور سالم پوریاں اور بہت سی بھاجی اور گوشت کے ٹکڑے اور ادھ چوسے آم اور چٹنی اور کباب کے ٹکڑے اور کھیر میں لتھڑے ہوئے پتل۔ ناؤنوش کی ہر نعمت کچرا بابا کو اس ٹب میں مل جاتی تھی۔ کبھی بھی کوئی پھٹا ہوا پاجامہ، کوئی ادھڑی ہوئی نیکر، کوئی تار تار شکستہ قمیض پلاسٹک کا گلاس۔ یہ کچرے کا ٹب کیا تھا، اس کے لیے ایک کھلا بازار تھا، جہاں وہ دن دہاڑے سب کی آنکھوں کے سامنے مٹر گشت کیا کرتا تھا۔ جس دکان سے جو سودا چاہے مفت لیتا تھا۔ وہ اس بازار کا۔ اس نعمتِ غیر مترقبہ، کا واحد مالک تھا اور اس کے حق کو سب نے تسلیم کر لیا تھا۔ مہینے میں ایک بار میونسپلٹی والے آتے تھے اور ٹب کو خالی کر کے چلے جاتے تھے اور کچرا بابا ان سے کسی طرح کی مزاحمت نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ دوسرے دن سے ٹب پھر اسی طرح بھرنا شروع ہو جائے گا۔ اس کو اعتقاد تھا کہ اس دنیا سے نیکی ختم ہو سکتی ہے، رفاقت ختم ہو سکتی ہے، لیکن غلاظت اور گندگی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا سے منہ موڑ کر اس نے جینے کا آخری طریقہ سیکھ لیا تھا۔

مگر یہ بات نہیں ہے کہ اسے باہر کی دنیا کی خبر نہ تھی، جب شہر میں چینی مہنگی ہو جاتی تو مہینوں کچرے کے ٹب میں مٹھائی کے ٹکڑے کی صورت نظر نہیں آتی۔ جب گندم مہنگی ہو جاتی تو ڈبل روٹی کا ایک ٹکڑا تک نہ ملتا۔ جب سگریٹ مہنگے ہو جاتے تو سگریٹ کے جلے ہوئے ٹکڑے اتنے چھوٹے ملتے کہ وہ انہیں سلگا کر پی نہیں سکتا تھا۔ جب بھنگیوں نے ہڑتال کی تھی، تو دو مہینے تک اس کے ٹب کی کسی نے صفائی نہیں کی تھی۔ اور کسی روز اسے ٹب میں اتنا گوشت نہیں ملتا تھا جتنا بقر عید کے روز، اور دیوالی کے دن تو ٹب کے مختلف کونوں سے مٹھائی کے بہت سے ٹکڑے مل جاتے تھے۔ باہر کی دنیا کا کوئی حادثہ یا واقعہ ایسا نہ تھا جس کا سراغ وہ کچرے کے ٹب سے دریافت نہ کر سکتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم سے لے کر عورتوں کے خفیہ امراض تک! مگر باہر کی دنیا سے اب اسے کسی طرح کی دلچسپی نہ رہی تھی۔ پچیس سال تک وہ کچرے کے ٹب کے کنارے بیٹھا بیٹھا اپنی عمر گزارتا رہا۔ شب وروز، ماہ وسال، اس کے سر سے ہوا کی لہروں کی طرح گزرتے گئے اور اس کے سر کے بال سوکھ سوکھ کر بڑ کی شاخوں کی طرح لٹکنے لگے۔ اس کی کالی داڑھی کھیچڑی ہو گئی۔ اس کے جسم کا رنگ ملگجا، مٹ میلا اور سبزی مائل ہوتا گیا اور اپنے مضبوط بالوں، پھٹے چیتھڑوں اور بدبودار جسم سے راہ چلتے لوگوں کو خود بھی کچرے کا ایک ڈھیر دکھائی دیتا تھا جو کبھی کبھی حرکت کرتا تھا اور بولتا تھا، کسی اور سے نہیں، صرف اپنے آپ سے یا زیادہ سے زیادہ کچرے کے ٹب سے!

کچرابابا ان سے کچھ کہتا نہیں تھا، مگر ان کی حیرت کو دیکھ کر دل میں ضرور سوچتا ہو گا کہ اس دنیا میں کون ہے جو کسی دوسرے سے گفتگو کرتا ہے۔ اس دنیا میں جتنی گفتگو ہوتی ہے، انسانوں کے درمیان نہیں ہوتی بلکہ صرف اپنی ذات اور اس کی کسی غرض کے درمیان ہوتی ہے۔ دو دوستوں کے درمیان بھی جو گفتگو ہوتی ھے وہ دراصل ایک طرح کی خود کلامی ہوتی ہے۔ یہ دنیا ایک بہت بڑے کچرے کا ڈھیر ہے جس میں سے ہر شخص اپنی غرض کا کوئی ٹکڑا، فائدے کا کوئی چھلکا یا منافع کا کوئی چیتھڑا دبوچنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور کہتا ہو گا یہ لوگ جو مجھے حقیر، فقیر یا ذلیل سمجھتے ہیں، ذرااپنی روح کے پچھواڑے میں تو جھانک کر دیکھیں۔ وہاں اتنی غلاظت بھری ہےجسے صرف موت کا فرشتہ ہی اٹھا کر لے جائے گا!

اسی طرح دن پر دن گزرتے گئے، ملک آزاد ہوئے، ملک غلام ہوئے، حکومتیں چلی گئیں، مگر یہ کچرے کا ٹب وہیں کا وہیں رہا اور اس کے کنارے بیٹھنے والا کچرا بابااسی طرح نیم غنودگی، نیم بے ہوشی کے عالم میں دنیا سے منہ موڑے ہوئے زیرلب کچھ بدبداتا رہا اور کچرے کے ٹب کو کھنگولتا رہا۔

تب ایک رات اندھی گلی میں جب وہ ٹب سے چند فٹ کے فاصلے پر دیوار سے پیٹھ لگائے اپنے پھٹے چیتھڑوں میں دبکا ہوا سو رہا تھا، اس نے رات کے سناٹے میں ایک خوفناک چیخ سنی اور ہڑبڑا کر نیند سے جاگا۔ پھر اس نے ایک اور زور کی چیخ سنی اور کچرے کے ٹب کی طرف بھاگا، جدھر سے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

کچرے کے ٹب کے پاس جا کر اس نے ٹٹولا، تو اس کا ہاتھ کسی نرم نرم لوتھڑے سے جا ٹکرایا اور پھر ایک چیخ بلند ہوئی۔ کچرابابا نے ٹب کے اندر ڈبل روٹی کے ٹکڑوں، چچوڑی ہوئی ہڈیوں، پرانے جوتوں، کانچ کے ٹکڑوں، آم کے چھلکوں، باسی وینیوں اور ٹھرے کی ٹوٹی ہوئی بوتلوں کے درمیان ایک نوزائیدہ بچہ ننگا پڑا ہے اور اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر زور زور سے چیخ رہا ہے۔ چند لمحوں تک وہ چپ چاپ، پریشان، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھتا رہا پھر اس نے تیزی سے آگے جھک کر کچرے کے ٹب سے اس بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور جلدی سے اسے اپنے چیتھڑوں میں چھپا لیا۔

کرشن چندر، کرشن چندر کے بہترین افسانے سے لیا گیا افسانہ کچرا بابا (2007)

.2

جاہ کی خواہشِ بے فیض پہ مرنے والے
کسی انسان کی عزّت نہیں کرنے والے
وہی اب شہر کی نظروں میں شناور ٹھہرے
لبِ دریا جو کھڑے تھے کئی ڈرنے والے
کس قدر خواب ابھی شعر بنانے ہیں، ہمیں
کتنے خاکوں میں ابھی رنگ ہیں بھرنے والے
وقت پر زور نہیں، عُمر چلی جاتی ہے
سینکڑوں کام پڑے ہیں ابھی کرنے والے
بھُول ہو گی تو اُسے دل سے کریں گے تسلیم
ہم نہیں دوش کسی اور پہ دھرنے والے
دیکھ لے آنکھ اُٹھا کر ہمیں اے سیلِ ہوس
نہیں اس شہر کے سب لوگ بکھرنے والے
پیار بٹنے سے کبھی ختم نہ ہو گا امجدؔ
دل کے دریا تو نہیں ہوتے اُترنے والے

امجد اسلام امجد، اتنے خواب کہاں رکھوں (2002–2009)